تحقیقی مجلہ تحقید، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد جلد ۱،
شمارہ ۲، جولائی تا دسمبر ۲۰۲۰
eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

CC BY

فہمیدہ ریاض کی شاعری میں بیگانگی

Alienation in the poetry of Fehmida Riaz

ڈاکٹر سمیرا اکبر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

زاہد حسین، ایم فل سکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract

Alienation is a prominent phenomenon of modern age. Alienation is a state in which human being feels himself isolated and meaningless. In the industrial age man has experiences not only alien to society but also estranged from himself. Fehmida Riaz is a prominent name of modern Urdu poem. She was a progressive and feminist writer, Human rights activists and authored more than 15 books of Poetry and fiction. In our male domination society female faces inattention and worthlessness that caused alienation in her. Fehmida Riaz depicted alienation specially alienation in women, very well in her poems.

Key words: Alienation, Fehmida Riaz, Urdu, Poem, Feminism

کلیدی الفاظ: بیگانگی، فہمیدہ ریاض، اردو، نظم، تانیثیت

بیگانگی دور حاضر کا ایک نمایاں رحجان ہے۔ بیگانگی سماجی، نفسیاتی اور فلسفیاتی اصطلاح ہے جو اب ادب کا حصہ بن چکی ہے۔ جب انسان کا ذہن کسی وجہ سے تشکیک کا شکار ہو جائے تو یہ رویہ خود بخود اس کے اندر اپنی جڑیں مضبوط کر لیتا ہے۔ بیگانگی کے کئی زمرے ہیں اور ہر ایک کی اپنی الگ پہچان ہے۔ ایک بیگانگی کا تعلق تصوف، مذہب اور روحانیت سے ملتا ہے تو دوسرے کی بنیادی کارل مارکس کے معاشی اجنبیت کے نظریہ تک جا پہنچتی ہیں اور تیسرے کا سرا فرانس کے مفکروں اور ادیبوں کی نظریہ وجودیت سے ملتا ہے۔ بیگانگی

ایک ذہنی کرب ہے جو ہر انسان پر کسی بھی حوالے سے اپنا اثر دکھا سکتی ہے۔ بیگانگی سائنس، مذہب اور منطق کی کلیت سے انحراف کر کے انسان اپنے وجود میں سفر کرنے سے عبارت ہے۔

بیگانگی کا تعلق کیوں کہ فرد سے ہے اس لیے یہ فرد میں ودیعت کیے گئے ہر ایک جذبے سے اپنا اثر دکھا سکتی ہے۔ یہ رویہ فرد میں کبھی ذہنی انتشار کی صورت میں در آتا ہے تو کبھی نفسیاتی طور پر آلیتا ہے۔ کبھی جنسی آسودگی کی وجہ سے فرد اپنے آپ کو بیگانہ تصور کرتا ہے تو کبھی جنسی تفریق کی وجہ سے وہ بیگانہ ذات ہو جاتا ہے۔ جنسی بیگانگی میں دو طرح کے عوامل کار فرما ہوتے ہیں۔ مرد اور عورت کی عدم مساوات کی صورت میں جنسی امتیاز یعنی "جنڈر ڈسکریمینیشن " کی صورتحال میں عورت استحصال کا شکار ہوتی ہے۔ مگر یہ ہر طبقہ فکر یا ہر معاشرے کا مسئلہ نہیں ہے۔ پدرسری معاشرے میں مرد، عورت حقوق کے استحصال کرتا ہے تو عورت میں بیگانگی کا احساس جنم لیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں معاشرے کی عورت اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتی ہے۔ بدلہ، بے چینی، غصہ اور اس طرح کی دیگر کیفیات اسے الگ تھلگ اور تنہا زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔

مادیت پرست معاشرہ جس میں ہر ایک چیز کو صرف "صارف "کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اپنے کاروبار کو مزید پرکشش بنانے کے لیے عورت کا استعمال کرتے ہیں۔ وہ عورت کو بطور " سیلز آفیسر " پیش کرتے ہیں تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ متاثر ہوں۔ معاشی دباؤ کے پیش نظر عورت اس طرح کی نوکری قبول تو کر لیتی ہے مگر رفتہ رفتہ ذہنی دباؤ کا شکار ہونا شروع ہوتی ہے۔ نتیجتاً اضطراب، اپنی بے حیثیتی جیسی کیفیات عورت کو بیگانگی کی طرف لے جاتی ہیں۔ شیلا گریگر لکھتی ہیں کہ:

> "The most important change has been the way in which working class woman, never entirely absent from the production process. The majority of the women work outside the home. This economic independence of women from men underpins the rise in divorce. The decline of marriage and the increasing number of single-parent household.")[1](

جنسی بیگانگی کا تعلق جنسی عمل سے ہے۔ اگر کوئی فرد جنسی ناآسودگی کا شکار ہے تو اس میں اضطراب اور معاشرے سے بیگانگی کی کیفیت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ مارکسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو معاشی سطح پر کمزور لوگ (بلا امتیاز مرد و زن) جنہیں اپنی مرضی

کے مطابق جنسی عمل کا موقع نہیں ملتا، وہ اپنے آپ کو معاشرے میں کم تر خیال کرتے ہیں۔ یہی احساس کمتری ان میں بیگانگی کو فروغ دیتا ہے ۔ اسی طرح معاشی طور پر مضبوط لوگ جنسی استحصال کرتے ہیں ۔ وہ اپنی تسکین کے لیے کسی بھی سطح تک اپنی طاقت کا استعمال کرتے ہیں۔ مخالف کو حاصل کرنے اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے اپنے تمام تر وسائل کا استعمال کرتے ہیں اور مخالف کو اپنا غلام سمجھتے ہیں۔ ایسی صورتحال میں تحلیل نفسی نہیں ہو سکتی محض جنسی عمل ہو سکتا ہے۔ یہ چیز مایوسی، دہشت، اضطراب، انکار اور غصے جیسی کیفیات کو جنم دیتی ہے۔

معاشی بیگانگی دراصل مارکسی بیگانگی ہے۔ کارل مارکس کے ہاں بیگانگی کا تصور الگ نوعیت کا ہے ۔ جہاں ایک مزدور طبقہ، کا سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے احساس بیگانگی میں مبتلا ہوتا ہے، وہیں پورا معاشرہ بیگانگی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ اس بارے میں مارکس کے نظریہ کو ڈاکٹر احمد حسین کمال اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

> " بیگانگی کی کیفیت سرمایہ دارانہ نظام کا لازمی جزو ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نظام کے تحت کسی بھی انسان کو اپنے نان نفقہ کے لئے اور اپنی محنت ، پیسے کے عوض بیچنے پڑتی ہے۔ اس عمل سے اس کے اندر بد دلی اور کراہت کے جذبات ابھرتے ہیں کیونکہ اس کے دن کا بیشتر حصہ ایک ایسے کام میں صرف ہوتا ہے جو دل سے نہیں کرتا محض معاوضہ کے عوض کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ بد دلی کی کہتی ہے اس کی پوری زندگی کا احاطہ کر لیتی ہے اور وہ ہر چیز سے حتیٰ کہ اپنے آپ سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اس عمل کو مارکس نے بیگانگی کا نام دیا ہے ۔"(2)

فہمیدہ ریاض نے نسوانی ادب میں بغاوت، مزاحمت اور معاشرتی رویوں کو اپنی نظم کا موضوع بنایا۔ عورت کے وجود کو بے معنی سمجھنے والے معاشرے میں نسائی جذبات و احساسات کو انہوں نے کھل کر بیان کی۔ مشرقی عورت فہمیدہ ریاض کے کلام میں اپنے پورے پیکر کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ پیدا ہونے کے بعد سن بلوغت تک پہنچتے پہنچتے وہ اپنی زندگی میں کئی بار "پرایا گھر کا مال" کے حوالے سے باتیں سن چکی ہوتی ہے۔ بچپنے سے ہی اپنے گھر سے بیگانگی اس کے ذہن میں بٹھا دی جاتی ہے۔ اپنے ماں باپ کے گھر میں رہتے ہوئے وہ اس ذہن سازی سے گزرتی ہے کہ اس نے ایک دن پرائے دیس سدھار جانا ہے اور یہاں پر اُس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ اس احساس کے ساتھ پرورش پانے والی مشرقی لڑکی کو اپنے ہی گھر میں بے حیثیتی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ عورت کی بحیثیت

انسان بے وقعتی اور ناقدری اس میں بیگانگی کے احساس کو جنم دیتی ہے۔ گویا گھر سے ہی اسے رشتوں کی بے تعلقی اس کے ذہن میں داخل کی جارہی ہوتی ہے۔ فہمیدہ ریاض عورت کی بیگانگی میں رشتوں کی اس عدم یقینیت کو لاکر عورت کا دکھ بیان کرتی ہیں۔ شاہین مفتی اپنی کتاب ''جدید اُردو نظم میں وجودیت'' میں لکھتی ہیں:

> ''فہمیدہ کی بعض نظموں میں ایک خاص طرح کی تلخی، امتلا اور بدمزگی ہے۔ وہ مردوزن کے بنیادی رشتے کو زندگی کی اٹل حقیقت سمجھتے ہوئے اس کا بے محابہ بیان کرتی ہیں لیکن وہ اس رشتے کی عدم استواری اور منافقت پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عورت کا محبت کے نام پر استحصال کیا گیا ہے اور مرد کی دنیا میں اس کی حیثیت فرد کی نہیں ہے بلکہ استعمال کرنے والی چیز کی سی ہے۔''(3)

ماں باپ جیسے رشتے چھوڑ کر ایک اجنبی شخص کے ساتھ بیاہا جانا، اُسے انجانے خوف میں مبتلا رکھتا ہے۔ اگر بدقسمتی سے اچھا شوہر نہ ملے تو عورت کا رشتوں سے اعتبار ہی اُٹھ جاتا ہے۔ عورت دل و جان سے جن رشتوں کی تابع فرمان ہوتی اور حق سے محبت کرتی ہے وہی اس کی چھوٹی سی لغزشوں پر اس کی زندگی کو اذیت ناک بنا دیتے ہیں۔ رشتوں کی اس بے چینی کی وجہ سے عورت رشتوں سے بیگانہ ہو جاتی ہے۔ اس میں بے مقصدیت اور بے حیثیتی جنم لیتی ہے۔ فہمیدہ ریاض عورت کے اسی کرب کو اپنی نظم کا نا صرف موضوع بناتی ہیں بلکہ ایسی ڈکشن کا استعمال کرتی ہیں جو عورت کی رشتوں سے بیگانگی کو ظاہر کرتی ہے۔

''کیا تم نے مجھے پہچانا؟
میرا تم سے کیا ناتہ ہے؟
کیا صرف بیگانگی کا ناتہ؟
تم تو مجھ سے یہ بھی نہیں پوچھتے
تم کون؟
میں کون ہوں؟
شاید صرف ایک گھٹیا مذاق
میری نہ کوئی تاریخ ہے نہ جغرافیہ (4)

رشتوں پر سے اعتماد کا اُٹھنا اور رشتوں سے بیگانگی کو اپنی نظم میں بیان کرنا فہمیدہ کے لیے ایک فطری عمل تھا کیونکہ انہوں نے رشتوں کی اس ناپائیداری کا سامنا کیا۔ ایک مطلقہ ملازمت پیشہ عورت کی زندگی بسر کرنا اور لوگوں کی باتیں سہنا، یہ وہ عوامل تھے

جو فہمیدہ کی شاعری میں رشتوں کی بے یقینی کو لے کر آئی۔ فہمیدہ کی نظم میں ایسے واقعات ملتے ہیں جو حقیقتاً کسی ان کی زندگی میں گزرے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں پیش آنے والے حادثات کو اپنے سماج کی اپنے جیسی عورت کے دکھ بیان کرنے کے لیے منتخب کیا۔ عامر حسین اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''فہمیدہ ریاض نے اپنے پہلے مجموعے ''پتھر کی زبان'' میں قاری کو بتایا تھا کہ جب تک کوئی نظم ان کو خود ہی مجبور نہ کر دے کہ وہ اُسے لکھیں، تب تک وہ کوئی نظم نہیں لکھیں گی۔''([5])

غار پتھر کے زمانے سے موجودہ ترقی یافتہ دور تک عورت کسی نہ کسی طرح سے اپنے حقوق کا استحصال برداشت کرتی رہی ہے۔ موجودہ دور میں بھی اُسے محض ''شوپیس'' کے طور پر صارف دنیا میں استعمال کیا جاتا ہے اُس کے داخلی جذبات اور اس کے احساسات کو ہمیشہ مقصد کی کھونٹی پر ٹانک دیا گیا۔ اکیلے پن کا دکھ صدیوں سے عورت کا مقدر رہا اور اسے کسی نے سہارا تک نہ دیا اس دکھ کو فہمیدہ ریاض نظم پتھر کی زبان میں اس طرح بیان کرتی ہیں:

''پھٹی ہوئی اوڑھنی میں سانسیں تری سمیٹے
ہوا کے وحشی بہاؤ پر اُڑ رہا ہے دامن
سنبھالا لیتی ہوں پتھروں کو گلے لگا کر
نکیلے پتھر
جو وقت کے ساتھ میرے لینے میں اتنے گہرے اُتر گئے ہیں
کہ میرے جیتے لہو سے سب آس پاس رنگیں ہو گیا ہے
مگر میں صدیوں سے اُس سے لپٹی ہوئی کھڑی ہوں۔''([6])

مشرقی عورت کو آزادی اظہار کی اجازت کسی مرد کی طرح قطعی نہیں ہے۔ بیگانگی کی ایک کیفیت یہ بھی ہے کہ فرد اپنی بات اور اپنے داخلی جذبات کا اظہار نہ کر سکے۔ بیان کر دینا اور اظہار دو ایسی چیزیں ہیں جو فرد کے اندر کے دکھ کو کم کر سکتی ہیں لیکن بیان کرنے کی ہی آزادی نہ تو ہی دکھ انسان کے لیے اندر کا ناسور بن جاتا ہے۔ اکیلے پن کا اور بیگانگی کا یہ دکھ فرد کو زندگی سے کوسوں دور لے جاتا ہے۔ فہمیدہ ریاض عورت کے اظہار کی پابندی کو اس طرح بیان کرتی ہیں:

"یہ میری سوچ کی انجان، کنواری لڑکی
غیر کے سامنے کچھ کہنے سے شرماتی ہے
اپنی مبہم سی عبارت کے دوپٹے میں چھپی
سر جھکائے ہوئے، کترا کے نکل جاتی ہے۔"(7)

"سر جھکائے ہوئے کترا کے نکل جانا" ظاہر کرتا ہے کہ اپنے جذبات کو اظہار کرنے کی شدید خواہش کے باوجود چھپانا پڑتا ہے۔ اگر وہ اظہار کرنے کی کوشش بھی کرتی ہے تو اسے لڑکی ہونے کا احساس دلا کر چپ کروا دیا جاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے تمام تر جذبات کو اپنے اندر دفنانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ یہی احساس اُسے بیگانۂ زندگی بنا دیتا ہے۔ مدتوں تک لبوں پر چپ کے تالے لگانے اور آزادی اظہار نہ ہونے کے سبب عورت کو اپنی زندگی بے مقصد لگنے لگتی ہے وہ سوچتی ہے کہ شاید اُسے اس دنیا میں فقط غم سہنے کے لیے بھیجا گیا۔ اس کا مقصد فقط تنہائی کے زخم سہنا اور اپنی بے چین روح کے ساتھ مر جانا ہے۔ اسے تمام سمتوں سے غم و اندوہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پیدائش سے موت تک اپنی بے بسی کی طنز و تشنیع برداشت کرنی پڑتی ہے۔ فہمیدہ ریاض عورت کے خود سے بیگانہ ہونے کے دکھ اور اسباب کو اس طرح بیان کرتی ہیں کہ یہ ایک دکھی عورت کی روح کی چیخ بن کر نمودار ہوتی ہے۔ نظم کے چند مصرع ملاحظہ ہوں:

"اب اس زخم سے تجربہ رس رہا ہے
مری روح کی چیخ اُبھرنے سے پہلے لبوں پر مرے منجمند ہو گئی ہے
میرے چاروں اطراف غم کا دھواں ہے
اُمید کوئی نہ کوئی سہارا
بغاوت کی ہمت نہ کوشش کا یارا(8)

فہمیدہ نے جب شاعری کا آغاز کیا تو اس وقت اردو شاعری نظم اور غزل دونوں ہیتوں میں علامت کے سانچوں میں ڈھلتی جا رہی تھی۔ عورت کو جو مسائل در پیش تھے فہمیدہ ریاض نے انہیں اپنے تحت الشعور میں رکھتے ہوئے ایسی ڈکشن استعمال کی جو اُس وقت کے مطابق عورت کی زبان سے ادا ہونا بذات خود ایک چونکا دینے والی بات تھی۔ وہ عورت کی ہر لحاظ سے آزادی کی خواہاں تھیں۔ انہوں نے مارکسی نظریات کو نہ صرف عورت کی آزادی کے طور پر اپنایا بلکہ انہوں نے اس میں پوری انسانیت کی بھلائی

دیکھی۔ ان کی بہت سی نظموں میں معاشی بیگانگی کی وجوہات اور اثرات سے بحث ملتی ہے۔ ان کے نزدیک اگر کارل مارکس کے تمام نظریات اسی شد و مد کے ساتھ تسلیم کر لیا جائے جس کا حق ہے تو اسے ظلم و جبر وتیت کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ استعماری نظام کے خلاف وہ مارکسی نظریات کو ایک بہت بڑا ہتھیار تصور کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک معاشی مسئلہ ایسا ہے جو دیگر تمام مسائل کو جنم دیتا ہے۔ خالدہ حسین ”بدن دریدہ“ کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں:

> ”خواتین میں وہ پہلی نظریاتی اور جدید شاعرہ ہے جس میں ایک انقلابی روح کروٹ لے رہی ہے۔ وہ نہایت خلوص دل سے کارل مارکس اور اس کے نظریات کو نجات دہندہ تسلیم کرتی ہے اور اپنے معاشرے میں بھی ایسے انقلاب کا خواب دیکھتی ہے جو انسان کے جبر سے رہائی دلائے۔“(9)

فہمیدہ ریاض کے نزدیک اگر مارکس کے نظریات کو اپنا لیا جائے تو معاشرے سے معاشی بیگانگی کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ انسانیت کے استحصال کے دکھوں کا تمام تر مداوا مارکس کے نظام کو اپنا لینے سے ممکن ہے۔ معاشی بیگانگی کے خاتمے کے لیے وہ سمجھتی ہیں کہ استحصال سے پاک ایک جمہوری معاشرہ ہونا چاہیے۔ وہ تمام اقتصادی اور مادی وسائل پر عوام کا برابر حق سمجھتی ہیں۔ پسماندہ مظلوم اور استحصال شدہ جمہور کے حقوق کی علمبردار ہے۔ وہ معاشی مسائل کو فرد کی بیگانگی سب سے بڑی وجہ سمجھتی ہیں، جس کی وجہ سے کوئی شخص اپنے آپ کو بے حیثیت محسوس کرتا ہے اور اس معاشرے سے سماج سے اور اپنے آپ سے بیگانہ ہونے لگتا ہے۔ نظم ساحل کی ایک شام میں وہ ایک مفلس، بے یارومددگار بچے کو ساحل پر دیکھتی ہیں تو کہہ اُٹھتی ہیں:

”اتنا گم نام اتنا تنہا

بے خانماں سایہ ایک بچہ

جس کا کوئی گھر کہیں نہیں ہے

جس کی وارث زمین نہیں ہے

جیسے جھوٹی غذا کا دونا

ساحل پہ کہیں پڑا ہوا ہے۔“(10)

یہی بچہ جس نے بچپن سے اپنے آپ کو بے حیثیت دیکھا ہے اور جس کی پرورش ہی کوڑے کے ڈھیر پر ہوئی جب سن شعور

تک پہنچتا ہے تو اپنے جیسے نظر آنے والے انسانوں سے نفرت اور بغاوت کے جذبات اس میں نمو پا جاتے ہیں۔ جب وہ اپنی بے حیثیتی اور سرمایہ داروں کی چمک دمک دیکھتا ہے اس میں ان کے لیے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے جیسے انسانوں سے بیگانہ ہونے لگتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ جہاں اُس کا نہیں ہے۔ یہ لوگ اس سے تعلق نہیں رکھتے اسی لیے وہ خود کو اس معاشرے کے ایلین تصور کرتا ہے۔ فہمیدہ ریاض جب اُس بچے کے اندر نفرت کا زہر اور بغاوت کی آگ بھڑکتے دیکھتی ہیں تو کہتی ہیں:

"ہے اس کے لبوں پہ آنے والی
جینے سے زیادہ تلخ گالی
گالی جو راکھ بن چکی ہے
ہونٹوں پر ہی بکھر گئی ہے
اس راکھ میں گر کوئی شرر ہے
شاید شعلہ بھڑک ہی اُٹھے (11)

حوالہ جات

[1] Sheilla mcgregor, sexuality,alienation and capitalism,IJS,issue130

[2]۔ احمد حسین، کمال، ڈاکٹر، نظام معیشت اور اسلام، لاہور: طیب پبلیشرز، 2002ء، ص:17

[3]۔ شاہین مفتی، ڈاکٹر، جدید اردو نظم میں وجودیت، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2000ء، ص:435

[4]۔ فہمیدہ ریاض، سب لعل و گہر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1988ء، ص:298،297

[5]۔ عامر حسین، فہمیدہ ریاض کا فن، مشمولہ: سب لعل و گہر، ص:13

[6]۔ فہمیدہ ریاض، سب لعل و گہر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1988ء، ص:22

[7]۔ ایضاً، ص:23

8۔ ایضاً، س:43

9۔ خالدہ حسین، بدن دریدہ، مشمولہ: سب لعل و گہر، ص:75

10۔ فہمیدہ ریاض، سب لعل و گہر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1988ء، ص:88

11۔ ایضاً، ص:325